

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نگے سر نماز غیر مقلد علماء کی نظر میں

مولانا محمد اسماعیل سلفی کا فتوے
مولانا سید محمد داؤد غزنوی کا فتوے
پیر سید محب اللہ شاہ راشدی کی تحقیق
مولانا محمد اسحاق بھٹی کی ایک فکر انگیز تحریر

جمع و ترتیب :-

پیر جی سید مشاق علی شاہ

ناشر
مکتبہ فاروقیہ گوہنڈ گڑھ گوجرانوالہ

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد کا فتویٰ

سوال : بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ ہو اور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا، اگرچہ فرض نماز یا جماعت مسجد میں ہو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہؓ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرمادیں۔

۱۔ ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر، اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو اسکی دلیل پیش فرمائیے گا؟

(عبد اللہ خلیفہ جامع مسجد اہل حدیث، ڈیرہ غازی خان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الجواب : وبالله التوفیق : متذکرہ صدر سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے، ۲۔ فضیلت یعنی آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے عام عمل کے لحاظ سے، ۳۔ حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نمازیں ستر منغلظ (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضاء کا ننگا رکھنا شرعاً حرام ہے۔ بہز بن حکیم سے مروی ہے: اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِنَّ مِنْ رَوْحَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ (رواہ الخمسة الا النسائی) بیوی اور مملوک کے سوا اعضاء ستر نہ دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

شوکانی فرماتے ہیں: والحق وجوب ستر العورة في جميع الاوقات الا
وقت قضاء الحاجة واقضا الرجل الى اهله۔ ۱۵۔ (نیل الاوطار ص ۳۶)
حد ستر میں اہل علم مختلف ہیں۔ جمہور ناف سے گھٹنے تک ڈھکنا ضروری سمجھتے ہیں
بعض صرف ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت
میں آیا ہے: العورة القبل والدين۔ (نیل الاوطار ص ۳۶) غرض ستر کی جو
حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے ننگا رکھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اعضاء
ستر کو ویسے بھی ننگا رکھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام اور ناجائز ہوگا۔ سر چونکہ
بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لیے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو
نماز بالاتفاق جائز ہوگی اس کے لیے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی
طیلول کی ضرورت، جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں
تو نماز جائز ہے سر ننگے بھی درست ہے لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے۔
امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقدسی کوئی ایسی حرکت کریں
حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی لیکن عقل مند ایسا کرنے سے
پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جواز کے باوجود
ایسی عادات عقل و فہم کے خلاف ہیں عقل مند اور متدین آدمی کو اس سے
پرہیز کرنا چاہیے۔

آنحضرتؐ صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متواتر
اور معمول رہا ہے۔ کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس
عادت کا جواز ثابت ہو خصوصاً باجماعت فرائض میں بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ
پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں: باب وجوب الصلوة في الثياب وقول الله تعالى:

خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَمِنْ صَلَاتِكُمْ مَلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَ
يَذْكُرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْكَوْكَعِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَزَلْتُ وَلَوْ
بِشْرَكَةٍ۔ فی اسنادہ نظر۔ الخ۔ (صحیح بخاری مع فتح مطبوع مصر ص ۳۱) امام بخاری
کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر ڈھانپنے کے
علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے
غلطی لگی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کی جائے تو سر ننگا رہے گا۔ حالانکہ ایک کپڑے
کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جاسکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث ائمہ بانی، ابوہریرہ، جابر بن عبد اللہ، سلمہ بن اویس، عمر بن ابی سلمہ
طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ دوادین سنت میں موجود ہیں لیکن
کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر
احادیث میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو
صرف انظار جواز کے لیے ہے، یا کپڑوں کی کم یا بی کی وجہ سے۔ ان حالات سے
جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہؓ
کی روایت میں ہے: اور ذلکم ثوبان۔ (ابوداؤد ص ۲۸) طلق کی روایت میں ہے او کلکم
یجد ثوبین۔ (ابوداؤد ص ۲۸) کیا سب کو دو کپڑے میسر آسکتے ہیں؟

حضرت عمرؓ کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں قام رجل الى
النبي صلى الله عليه وسلم فساءه عن الصلوة في الثوب الواحد فقال او كلكم
يجد ثوبين۔ ثم سئل رجل عمر فقال اذا وسع الله فافسعو اجمع رجل عليه
ثيابه صلى رجل في ازار ورجاء في ازار وقميص في ازار وقباء في سراويل
ورداء في سراويل وقميص في سراويل وقباء في ثياب وقباء في ثياب و
قميص قال واحسبه في ثياب ورجاء۔ (صحیح بخاری ص ۳۲) حضرت عمرؓ سے ایک آدمی
نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وسعت

تھیں بھجنا تو تم ایک کپڑے میں جاتے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں، لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور سنون ہے۔ آیت خُذُوا زِينَتَكُمْ کے مضمون بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد میں ایک اثر ہے جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے حدیثنا عبد اللہ بن محمد الزہری ثنا سفیان بن عیینة قال رأیت شریکاً صلی بنی جنازة العصر فوضع قلسوته بین یدیه یعنی فی فریضة۔ (ابوداؤد ۱۵۸۳) یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔ ۱۵۔ اقل تو یہ نہ مرفوع حدیث ہے نہ کسی صحابی کا اثر۔ دوم معلوم نہیں یہ شریک کون بزرگ ہیں۔ شریک بن عبد اللہ نخعی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبد اللہ بن ابی نضر تابعی۔ ان دونوں میں کم و بیش منصف ہے لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابل حجت نہیں۔ سوم امام ابوداؤد نے اسے باب الخط اذ لم یجد عصاً میں ذکر فرمایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سر ننگا رکھا گیا ہے کیونکہ جب انھیں سترہ کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو انھوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لے لیا۔ ضرورت اور عذر سے سر ننگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں۔ بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سر ننگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے ذکر میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں درست ہے لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار تحسن نہیں حافظ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں: الفضل الثاني في فضيلة وهو ان يصلی فی ثوبین او اکثر فانه اذا بلغ فی الستر مروی عن عمر انه قال اذا وسع الله فادسعو۔ (۱۵۸۳) مفتی ابن قدامہ مع الشرح یعنی فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیونکہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ ہے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے جب اللہ تعالیٰ مال

دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لیتا چاہیے۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے حسب استطاعت نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحت سمجھ میں آتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو تکلف سے مسکت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ ابن مزیر فرماتے ہیں: الصحيح انه كلام في معنى الشرط كانه قال ان جمع رجل عليه ثيابہ فحسن۔ ۱۵۔ (فتح ۳۲۲) اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کرے تو بہتر تا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وفي هذا الحديث دليل على وجوب الصلوة في الغياب لما فيه من ان الاقتصار على الثوب الواحد كان لضيق الحال وفيه ان الصلوة في الثوبين افضل من الثوب الواحد وصرح القاضی عیاض بنہی الخلاف فی ذلک۔ ۱۵۔ (فتح الباری ۳۲۲) اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ مستطیع کے لیے زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ ایک کپڑے کی اجازت صرف ضیق کی وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے غرض کہ حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں محض بے عملی یا بے عملی یا گس کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ اسکی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرماتے ہیں۔ اذا صلی احدکم فلیاتنزل ولینتہ۔ ۱۵۔ (سنن البیہقی ۲۳۵) نافع فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ مرفوعاً فرماتے ہیں: اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیه فان الله عز وجل احق ان یبرین لہ۔ الخ (سنن البیہقی) نافع فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ مرفوعاً فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو۔ اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا، عبد اللہ بن عمرؓ آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کیا تمھارے پاس دو کپڑے نہیں؟ میں نے عرض کیا دو ہی موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا: اریث لو یثنتک الی بعض اهل المدينة اکت تذهب فی ثوب واحد قلت لا۔ قال واللہ احق ان یتجمل لہ؟ الخ۔ (بیہقی سنن ۲۳۳) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس

مولانا محمد داؤد غزنوی کا فتویٰ

یہی استفتاء مولانا سید داؤد غزنوی سے بھی کیا گیا تھا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے جواب موصول ہونے کے بعد انھوں نے مختصر جواب جو لکھا ہے وہ بھی بدیر قارئین کیا جاتا ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث بحوالہ الاختصاص)

اقول وبالله التوفیق: بنگے سر نماز پڑھنے کے متعلق میں نے طالب علمی کے زمانہ میں اپنے والد بزرگوار (حفظہ اللہ) مولانا عبد الجبار الغزنوی نور اللہ مرقدہ سے کہا تھا، انھوں نے اس کا مختصر مگر بڑا جامع جواب ارشاد فرمایا وہ عرض کیے دیتا ہوں۔ فرمایا کہ سر اعضا ستر میں سے تو نہیں لیکن نماز میں سر نہ گار کھنے کے مسئلہ کو اس لحاظ سے نہیں بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مرد کے کندھے بھی اعضا ستر میں سے نہیں لیکن صحیح بخاری میں ہے: لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه شیء یعنی ایک کپڑے میں کوئی نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ مؤطا اور فتح الباری دیکھ لو۔ مؤطا میں امام مالک فرماتے ہیں: قال مالک احب الی ان یجمل الذی یصلی فی الثوب الواحد علی عاتقه ثوبا او عمامۃ قال الزرقانی لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه شیء کہ میرے نزدیک پسندیدہ چیز یہ ہے کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اپنے دونوں کندھوں پر کپڑا ڈالے یا اپنے سر پر عمامہ باندھے اس کی شرح میں زرقانی فرماتے ہیں کہ امام مالک کا یہ فتویٰ اس حدیث کی بنا پر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کپڑا نہ ہو گا۔

میں وسعت فرمائیں، تو کوئی کو وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد قسمی کا قول ذکر فرمایا ہے۔ الثوب الواحد یجزی والثوبان احسن والاربع اکمل قمیص و سراویل و عمامۃ وازار۔ اہ (ابن قدامہ ۲۱۱) ایک کپڑا جواز نماز کے لیے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز اور کامل ہوگی قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔ ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر نہ گار کھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں یہ عمل فحش کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پگڑی کے متعلق تخنیک کا رواج تھا، یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے باندھتے تھے آج کی عربی کپڑیاں اور ہماری کپڑیاں انہی وقت کی پگڑیوں سے وضع میں مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وللتفصیل وقت اخر۔

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے اگر اس ضمن لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو بنگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ والسلام

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۸۶ تا ۲۸۹)

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑھنے پڑھانے والے امام مالکؒ کی اس اصطلاح واقف ہیں جب کسی مسئلہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں "احب الی" میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے اس سے مراد وجوب ہوتا ہے جس کی تصریح حافظ ابن عبد البر اور دیگر شراح موطا نے کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث: لیس علی عاتقہ شیء کے ذیل میں فرماتے ہیں: لیحصل الستر لجزء من اعلی البدن وان کان لیس بدورہ۔ یعنی کندھوں کو کپڑے سے ڈھانکنے کا حکم اس لیے آپؐ نے دیا تاکہ بدن کا اعلیٰ حصہ بھی نماز میں ڈھکا رہے اگرچہ وہ عورت یعنی اعضاء ستر میں سے نہیں ہے۔ زرقانی نے امام مالکؒ کا ایک اور قول بھی نقل کیا ہے جو سائل کے سوال کے جواب کے لیے کافی واضح ہے۔ فرماتے ہیں: قال مالک فی المبسوط لیس من امر الناس ان یلبس الرجل الثوب الواحد فی الجماعت فکیف بالمسجد وقال تعالیٰ خُذُوا زینتکم عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ (مائدہ ۲۳) یعنی امام مالکؒ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ایک کپڑے میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں، چہ جائیکہ ان کو مسجد میں اجازت دی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم ہر نماز کے وقت لباس پہنا کرو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اختیارات میں فرماتے ہیں: واللہ تعالیٰ امر بقصد زائد علی ستر العورة فی الطلوة وهو اخذ الزینتہ فقال خُذُوا زینتکم عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ (مائدہ ۲۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے ستر عورة (اعضاء ستر کے ڈھانکنے) کے علاوہ ایک زائد حکم بھی دیا ہے اور وہ ہے اچھا لباس پہننا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے خُذُوا زینتکم عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ اس کی مزید تاکید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے صاحب مغنی نے حافظ عبد البر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نافع کو دیکھا کہ

کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا تم دو کپڑے نہیں پہن سکتے ہو؟ نافع نے عرض کیا اچی ہاں پہن سکتا ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تمہیں محلہ میں کسی کے پاس بھیجا جائے تو تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟ نافع نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: فاللہ احق ان ینزلہ او الناس؟ قلت بیل اللہ۔ (ص ۲۲) پس اللہ عزوجل اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس کی حاضری کے لیے زینت کا لباس پہنا جائے یا لوگ اس کے مستحق ہیں؟ نافع نے عرض کیا نہیں حضور! اللہ ہی اس کے مستحق ہیں

ابتداءً عند اسلام کو چھوڑ کر جب کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایات نہیں گزری جس میں بہ صراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔ اس لیے اس بدرگاہ کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبد یا خشوع و خضوع اور عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ ہوگا اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ وَلَا یَاخُذُونَ إِلَّا وَهْمَهُمْ کَسَالًا (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقط العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود سید محمد داؤد الغزنوی ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

(الاعتصام جلد ۱۱ ش ۱۸)

(فتاویٰ علماء حدیث جلد ۴ ص ۲۸۷ تا ۲۹۱)

نماز میں سر ڈھانپنے کا مسئلہ

”الاعتصام“ مجریہ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء میں ننگے سر نماز ہو جانے کے متعلق ہمارے محترم دوست مولانا حافظ نعیم الحق نعیم حفظہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ شائع ہوا ہے۔ جہاں تک ننگے سر نماز ہو جانے کی حد تک بات ہے تو اس میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔

یہ کہنا کہ سر ڈھانپنے پر پسندیدہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس سے راقم الحروف کو اختلاف ہے۔

احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سر پر یا تو عمامہ باندھتے رہتے یا سر پر ٹوپیاں ہوتی تھیں اور راقم الحروف کے علم کی حد تک سوائے حج و عمرہ کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آکر عمامہ وغیرہ اتار کر رکھ لیا اور ننگے سر نماز پڑھنی شروع کی کسی محترم دوست کی نظر میں ایسی کوئی حدیث ہو تو ہمیں ضرور مستفید کیا جائے۔

ذیل میں چند احادیث لکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیں :

۱۔ حضرت عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :
رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يصيح على عمامته وخفيته۔

صحیح البخاری میں فتح الباری بتحقیق شیخ ابن باز طبع لاہور پاکستان ص ۳۸۰
”میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنے عمامہ اور موزوں پر صبح کرتے تھے“
اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور اسی عمامہ سے ہی نماز پڑھی ہوگی کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ عمامہ پر صبح کیا تو ہو لیکن جس پر صبح کیا اس کو اتار کر نماز پڑھی ہو۔ یہ حدیث حضور و سفر دونوں کو شامل ہے۔

۲۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے پیشتر قضاء حاجت کے لیے نکلے قضا حاجت کی پھر لوٹے۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پانی ڈالا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر اس میں یہ الفاظ ہیں :

بسم مسح بناصيته وعلى العمامة الخ۔

المشكوة بتعليق العلامة الالباني۔ بحوالہ صحیح مسلم ص ۱۶۱

”پھر اپنی پیشانی مبارک اور عمامہ پر مسح کیا“

۳۔ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

كأني انظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه عمامة

سوداء قد ارخى طرفها بين كتفيه۔ (فتح الباری بحوالہ صحیح مسلم ص ۱۶۱)

”گویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ ان کے سر پر کالی بگڑی تھی

جس کا ایک طرف اٹھ بچھے دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دیا تھا“

۴۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم :

دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة رداء يغيب احرام۔

”فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ ان پر کالی بگڑی تھی بغیر احرام کے“

بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری کی اس حدیث سے معارض ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر مغفر (خود) تھا۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ پہلے پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر پر خود تھا پھر اس کو اتار لیا (جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے) اس کے بعد عامہ پہن لیا۔ اس طرح ہر کسی نے جو دیکھا وہ بیان کر دیا اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

انه خطب الناس وعليه عمامة سوداء۔

”آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اس حال میں کہ آپ کے سر مبارک پر کالا عامہ تھا“

اور یہ خطبہ کعبہ کے دروازہ کے نزدیک ہوا تھا اور یہ دخول کے تمام ہونے کے بعد ہوا۔ بعض نے ان دونوں روایتوں کو اس طرح بھی جمع کیا ہے کہ یہ کالا عامہ کے اوپر یا خود کے نیچے بندھا ہوا تھا تاکہ خود کے لوہے سے سر مبارک کو محفوظ رکھیں۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۶۱-۶۲)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اذا اعتقه سدل عمامته بين كتفيه۔ المشكوة بحوالہ ترمذی۔

اور ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب بھی عامہ باندھتے تو پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان اس کا ٹکڑا چھوڑ دیتے“

۶۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

عَمِنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَدَّ لَهَا

بَيْنَ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي۔ (المشكوة بحوالہ ابی داؤد ج ۲ ص ۵۷)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پگڑی باندھی اور میرے سامنے اور میرے پیچھے اس کا ٹکڑا سا ٹکڑا چھوڑ دیا“

۷۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول

الشهداء اربعة رجل مؤمن جيد الايمان اتى العدو

فصدق الله حتى قتل فذلك الذي يرفع الناس اعينهم

اليه يوم القيامة هكذا ورفع رأسه حتى وقعت

قلنسوة فلا ادري قلنسوة عمن اراد ان قلنسوة النبي

صلى الله عليه وآله وسلم۔ الحديث۔

یہ روایت جامع ترمذی میں ہے اور امام ترمذی نے اس کی تحقیر کی ہے۔

ترجمہ: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ شہداء چار

میں ایک ان میں سے وہ آدمی ہے جو عمدہ ایمان والا مؤمن ہے وہ دشمن

کی طرف آیا تو اس نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ (کے اجر و ثواب) کی تصدیق کی

(دھڑکا رہا) حتیٰ کہ وہ قتل ہو گیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف سے لوگ اپنی

آنکھیں اٹھائیں گے قیامت کے دن اس طرح اور اپنا سر اٹھایا، حتیٰ کہ

ٹوپی گر گئی۔ (راوی کہتا ہے) مجھے معلوم نہیں اس ٹوپی سے مراد حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی کا ارادہ کیا یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی ٹوپی کا“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس وقت ٹوپی پہننے ہوئے تھے۔

۸۔ ابوالشیخ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ: انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبس فی السفر ذوات الاذان وفی الحضر المضمربینی الشامیۃ۔
لوامع العقول میں لکھا ہے:

قال العراقي وهو اجدد الاسناد فی القلائس۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سفر میں کانوں والی ٹوپیاں پہنتے تھے اور حضر میں مضمرب یعنی شامی ٹوپیاں پہنتے تھے۔
علامہ عراقی فرماتے ہیں:

ٹوپوں کے بارے میں یہ حدیث بہت عمدہ اسناد والی ہے۔

۹۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں اور مصنف عبدالرزاق میں اسکے مانند امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ:

ان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یسجدون

وایدیہم فی ثیابہم ویسجد الرجل منهم علی

قلنسوتہ وعمامتہ۔ (عمدة القاری شرح صحیح البخاری)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں سجدہ کرتے اس حال میں کہ ان کے ہاتھ کپڑوں میں ہوتے اور ان میں سے کوئی آدمی اپنی ٹوپی اور پگڑی پر سجدہ کرتا تھا۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں ٹوپیاں یا پگڑیاں پہننے ہوتے تھے۔

۱۰۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح کے کتاب اللباس میں باب البرانس کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث لائے ہیں:

ان رجلا قال یا رسول اللہ ما یلبس المحرم من الثیاب؟

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لا تلبسوا القمص

ولا العمائم ولا السراویل ولا البرانس ولا الخفاف

الحدیث۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۴۱-۲۴۲)

ترجمہ: ایک آدمی نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، احرام والا کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا قمیصیں پہننے اور نہ پگڑیاں اور نہ شلواریں اور نہ برانس اور نہ ہی موزے۔

برانس، برنس کی جمع ہے یہ ایک قسم کی ٹوپی ہے پھر آگے متلا ج ۱۰ پر باب العام منقذ فرما کر اس کے تحت بھی یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی لائے ہیں۔

اس صحیح حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ ٹوپیاں اور عمامے اکثر و بیشتر پہننے رہتے تھے۔ ورنہ اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ اکثر و بیشتر چلتے پھرتے یا نماز ادا کرتے ہوئے ننگے سر رہنا ہی ان کا عمل ہوتا تو خاص طور پر ان چیزوں کی ممانعت (احرام کی حالت میں) بیان نہ کی جاتی۔ جیسا کہ عورتیں اجانب (غیروں) کے سامنے نقاب اٹھنے ہی رہتی ہیں اس لیے احرام کی حالت میں ان کو امر ہوا کہ وہ منہ پر نقاب نہ ڈالیں الا یہ کہ کوئی اجنبی سامنے آگیا تو چادر کا پلو منہ پر ڈال لیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ محدثین نے جو کتاب اللباس وغیرہ ذکر کر کے اسکے تحت

یہ احادیث لائے ہیں تو اس سے مقصد ان باتوں میں اکتفا و اتباع تھا، ورنہ ان باتوں کے ذکر سے کیا فائدہ، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (آلۃ، احزاب، ۲۱)
”تھکے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں بہترین نمونہ ہے۔“

اور یہ ارشاد عبادات وغیرہ سب کو شامل ہے۔

ہو سکتا ہے ہمارے محترم مولانا نعیم الحق نعیم صاحب طعام و شراب اور لباس کے متعلق یہ رائے رکھتے ہوں کہ ان میں سے جن اشیاء یا امور کے متعلق کوئی امر یا رغبت دلانے والا صیغہ وارد نہیں ہوا وہ مندوب و مستحب نہیں۔

لیکن راقم احرف ان سے اتفاق نہیں کر سکتا اس لیے کہ اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ معمول نہ ہوتا تو جس طرح سر پر عمامہ یا ٹوپی کا ثبوت مل رہا ہے اس طرح ننگے سر چلتے پھرتے رہنے یا ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق بھی روایات منور مل جاتیں لیکن اس قسم کی ایک روایت بھی میرے علم میں نہیں آئی۔ جب یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پسندیدہ معمول ہوا تو یہ عمل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پسند ہو گا۔ لہذا استحباب یا مذہبیت کا انکار مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

صحابہ کو ام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تو یہ حال تھا کہ لباس و طعام میں سے جو چیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہوتی وہی پسند کرتے تھے۔ صحیح البخاری کتاب اللباس میں ”باب النعال السبئية وغيرها“ کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عبید بن جریج سے روایت لائے ہیں کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: چار باتیں ایسی ہیں کہ میں تم ہی کو وہ کرتے دیکھتا ہوں۔ تمہارے دوسرے اصحاب ان پر عمل نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک چیز یہ ذکر کی کہ تم سبئیتہ فقال

(بغیر بالوں کی جوتیاں) ہی پہنتے ہو۔ تو انھوں نے یہ جواب دیا:

”اما النعال السبئية فاني رأيت رسول الله صلى الله

تعالى عليه وآله وسلم يلبس النعال التي ليس فيها

شعر ويتوضأ فيها فانا احب ان البسها“ (فتح الباری ص ۵۹۹)

”فقال، جوتي سبئية کے بارے میں تو نے پوچھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ جوتیاں وہی پہنتے تھے جن میں بال نہ ہوتے اور ان ہی میں وضو بھی کرتے۔ لہذا میں بھی پسند کرتا ہوں کہ ایسی جوتیاں پہنا کروں۔“

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سنت کے اتباع میں جو مقام ہے وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں۔

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح کے کتاب الاطعمۃ میں ”باب الدباء“ کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث لائے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى مولى له خياطاً

فأتى بدباء فجعل ياكله فلم ازل احبه منذ رأيت

رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (فتح الباری ص ۵۹۹)

”بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ایک غلام جو کڑا

سینے والا تھا، کے پاس آئے پھر وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم کے لیے کدو لے آیا۔ پھر آپ اس کو کھانے لگے حضرت

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اللہ سبحانہ و

تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کدو کھاتے دیکھا، تب

سے میں اسے پسند کر رہا ہوں۔“

کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مرغوب اشیا کو پسند کرنا باعثِ اجر و ثواب نہ تھا؟

اگر تھا تو یہی مذہب و استحباب کی علامت ہے اس لیے سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے یا نماز وغیرہ پڑھنے کو پسندیدہ قرار نہ دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہم نے بڑے بڑے علماء و فضلاء کو دیکھا کہ وہ اکثر و بیشتر سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے۔ یہ آج کل جو نئی نسل خصوصاً اہل حدیث جماعت کے افراد نے یہ معمول بنا رکھا ہے۔ اسے چلتے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جاسکتا ہے مسنون نہیں۔ یا کسی چیز کے جائز ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مندرجات و مستحبات کو بالکل ترک کر دیا جائے؟

جواز کے اظہار کے لیے کبھی کبھی اتفاقاً بھی ننگے سر رہنے پر عمل کیا جاسکتا ہے لیکن آج کل کے معمول سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کتب احادیث میں جو جو منڈیاؤں مستحبات، سنن و نوافل کے ابواب موجود ہیں یہ سراسر فضول ہیں اور ہمیں صرف جواز اور تخص پر ہی عمل کرنا ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ ہمارے محترم میلانا نعیم الحق نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے بعض پُر جوش اہل حدیث کی طرف سے بعض متشدّد حنفیوں کی باتوں کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنے کے جواز کا اس طرح جواب دیا جاتا رہا ہے لیکن یہ بات افہام و تفہیم سے ہی ہو سکتی ہے۔ انھیں معقول دلائل پیش کیے جائیں پھر بھی وہ اسی پر جمے رہیں اور حق کی طرف نہیں آتے تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کے لیے ہم مستحبات کا خاتمہ ہی کر دیں اور ننگے سر نماز پڑھنے کو دائمی معمول بنالیں۔ پھر اگر یہی مقصود تھا تو گھر سے ہی ننگے سر آتے اور نماز پڑھ لیتے۔ لیکن یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ گھر سے تو سر پر ٹوپی وغیرہ رکھ کر آتے ہیں لیکن مسجد میں داخل ہو کر سر سے ٹوپی وغیرہ اتار کر ایک طرف رکھا

دیتے ہیں اور نماز شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے مولانا نعیم الحق کی تحریر کے مطابق ننگے سر نماز پڑھنے کا جواز تو ضرور معلوم ہو جاتا ہے لیکن اس سے جو بڑی غلط فہمی عوام میں پھیل جاتی ہے اور واقعہ پھیل رہی ہے اس کی جانب بھی توجہ کو مبذول فرمایا جاتا۔ یعنی اب عوام میں یہ غلط فہمی پھیلتی جاتی ہے کہ گھر سے تو ٹوپی وغیرہ سر پر رکھ کر آنا چاہیے لیکن مسجد میں آکر اس کو اتار دینا چاہیے اور ننگے سر ہی نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ یہی سنت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس لیے کہ اہل حدیث جماعت کے بہت سے افراد کا اس پر عمل ہے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ یہ کتنی بڑی غلطی ہے؟ اور یہ محض ہم اہل حدیثوں کے طرز عمل سے ہی پیدا ہو رہی ہے حالانکہ صحیح تو کیا مجھے تو ایسی ضعیف حدیث بھی نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے تو اس حال میں نکلے کہ سر پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آتے ہی اس کو اتار لیا اور ننگے سر نماز پڑھی۔ پھر اس طرح اس کو دائمی و متعمر معمولات میں سے بنانے کی وجہ سے لوگوں کو کیا یہ خیال نہ گزرتا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے تو اس غلط فہمی کے دور کرنے کے لیے بھی کیا یہ اہم و پسندیدہ بات نہیں کہ اکثر و بیشتر سر ڈھانپ دیا جائے خواہ نماز میں خواہ اس سے باہر تاکہ یہ غلطی رفع ہو جائے۔

بعض حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں یہ وارد ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور اس میں ٹوپی وغیرہ بھی داخل ہے بغیر سر ڈھانپے نماز پڑھی۔

اولاً تو یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی تنخیل تھی اور اتنی فراوانی نہ ہوئی تھی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اعتراض کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیادہ مبارک

کر سکتا ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ معمول اعلیٰ درجہ کی زینت بھی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ بھی۔ بہر حال ان وجوہات کی بنا پر مجھے تو سر ڈھانپنا بہر حال میں بہتر و اولیٰ اور مستحب و مندوب نظر آتا ہے۔ اگر کسی اہل علم نے اس پر تعاقب فرما کر میری اس کاوش کو غیر صحیح ثابت کر دیا اور بات سمجھ میں آگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ رجوع بھی کر لوں گا۔

الحق یصلو لا یصلی علیہ واللہ یقول الحق وهو
یہدی السبیل فالحمد لله الذی بنعمتہ تتم
الصلوات و صلی اللہ علی سیدنا محمد رحمۃ
للعالمین و نبی الرحمتہ و علی آلہ واصحابہ و بارک
وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

میں ہم میں سے ہر ایک کے پاس دو تین کپڑے تو نہ تھے۔ اس طرح صحیح حدیث مرفوعہ میں بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟ اس سے جو بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

ثانیاً: میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے ثبوت سے اس کا نزول یہ حضرات صرف اس بیچاری ٹوپی وغیرہ پر ہی کیوں گرانے پڑے ہیں۔ اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے منون ہونے کا مدار آپ حضرات ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث پر ہی رکھتے ہیں تو جسے اللہ آپ گھر سے ہی ایک کپڑے کے سوائے سب کپڑے اتار کر پھر مسجد میں آیا کریں اور اس طرح نماز بھی پڑھ لیں۔ یہ اچھی تم ظریفی ہے کہ گھر سے تو قمیص، شلوار، کوٹ وغیرہ باہر کر آتے ہیں اور مسجد میں دخول کے بعد صرف پچڑی یا ٹوپی اتار کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ یا اللہ عجیب۔

کیا آپ حضرات کے نزدیک اس کا معنی مطلب یہ ہے کہ اور تو سب کپڑے پہنے ہوئے چاہئیں۔ صرف ٹوپی وغیرہ کو اتار دیا جائے لیکن یہ مطلب سر اسر غلط ہے شاید کچھ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے کہ مسجد میں زینت پکڑو۔ یعنی لباس پہنو اور جب آج کپڑوں کی فراوانی ہے تو ہم یہ سارا لباس زیب تن کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کی خدمت میں باادب عرض ہے کہ اگر دوسرے کپڑے زینت میں داخل ہیں تو ٹوپی وغیرہ کو آپ کس دلیل سے اس زمرہ میں سے نکال باہر کر رہے ہیں۔ اوپر صفحات میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اکثر و بیشتر معمول سر ڈھانپنا تھا لہذا ٹوپی وغیرہ سے سر ڈھانپنے کے زینت ہونے پر نہیں اور کیا مضبوط ثبوت پیش

لوگ گرمیوں میں محض بنیان سپن کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی بھی وہ شدید مخالفت کرتے تھے۔ عام طور پر اہل حدیث حضرات نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا نہیں مانگتے اس سے بھی مولانا اختلاف کرتے تھے وہ ہر نماز کے بعد قبلہ رخ بیٹھے ہوئے لمبا وظیفہ پڑھتے تھے اور پھر ہاتھ اٹھا کر خشوع و خضوع سے دُعا مانگتے تھے۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے وہ مہتمم تھے اور وہیں باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔ جماعت وہ خود نہیں کراتے تھے، دارالعلوم کے کسی مدرس کو امام مقرر کر لیتے تھے طلباء کو باقاعدہ ہدایت تھی کہ باجماعت نماز پڑھیں، نمازیں سرنگانہ رکھیں اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگیں۔

ایک دن مولانا نے چینیوں والی مسجد میں عصر کی نماز پڑھی، نماز کے بعد دُعا مانگ کر بیٹھے تھے کہ ان کے ایک عقیدت مند اہل حدیث جو اسی محلے میں رہتے تھے، نماز پڑھنے کے لیے آئے ان کا نام ملک محمد رفیق تھا انھوں نے ننگے سر نماز پڑھی نماز سے فارغ ہوئے تو مولانا نے ان سے فرمایا:

”ملک صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات عرض کروں“
لفظ ”عرض“ اور ”اجازت“ سن کر وہ پریشان ہوئے اور بولے:
”حضرت فرمائیے؟ کیا ارشاد دینے؟“
فرمایا: ”ننگے سر نماز پڑھا کریں۔“

اس سلسلے کا ایک لطیفہ مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوہر انوار) کا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے علم و فضل سے نوازا تھا۔ تحریر و تقریر کا انھیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ یہ تقیر ۱۹۳۱ء اور ۱۹۴۲ء میں دو سال مولانا محمد رفیق کے حلقہ درس میں شامل رہا۔ پھر ”الاعتصام“ کے اہرام کے بعد فروری ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۲ء

مولانا محمد اسحق بھٹی کا خط

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے ”الرشید“ میں آپ نے ہفت روزہ ”الاعتصام“ کے حوالے سے ممتاز و مشہور اہل حدیث عالم مولانا سید محب اللہ راشدی کا ایک خوبصورت مضمون شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے ”نماز میں سر ڈھانپنے کا مسئلہ“ اس میں فاضل مضمون نگار نے ”الاعتصام“ میں شائع شدہ ایک مضمون پر تعاقب فرمایا ہے۔ سید محب اللہ صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ نماز میں سر ڈھانپنا چاہیے کسی حدیث میں اس قسم کے الفاظ نہیں ہیں کہ نماز پڑھنے سے پہلے عام یا ٹوپی سر سے اُتار دو اور سر ننگا کر کے نماز پڑھو.... بلاشبہ یہ بہت اچھا مضمون ہے جس نے دو دفعہ پڑھا۔ حالانکہ اس سے قبل ”الاعتصام“ میں بھی پڑھ چکا تھا۔ اس ضمن میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری گزارشات کا تعلق نفسِ مسئلے سے نہیں ہے، اس کی وضاحت تو محب اللہ صاحب نے کر دی ہے یہیں صرف یہ عرض کروں گا کہ اس سلسلے میں مشاہیر علمائے اہل حدیث کا نقطہ نظر کیا ہے.... اگر آپ مناسب سمجھیں تو ”الرشید“ میں شائع فرمادیں۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی ننگے سر نماز پڑھنے کے سخت مخالف تھے بعض

رہے اور کئی سال جیلوں میں گزارے۔ انگریزوں نے ان پر اتنی سختی کی تھی کہ ان کے مردانہ اعضاء بالکل بے کار کر دیے گئے تھے اور ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن وہ بڑے خوش مزاج اور نہایت صابر و شاکر تھے مولانا محمد اسماعیل مرحوم کے وہ گہرے دوست تھے اور ان کی ملاقات کے لیے اکثر گوجرانوالہ آیا کرتے تھے۔ میں نے ان کو سہلی مرتبہ ۱۹۵۰ء کے آخر میں دیکھا تھا، اور ان کی باتیں سنی تھیں۔

ایک دفعہ وہ گوجرانوالہ تشریف لائے مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا محمد حنیف ندوی صاحب سے "الاعتصام" کے دفتر میں ملے ہیں بھی حاضر تھا۔ یہ غالباً ۱۹۵۲ء کے جنوری یا فروری کی بات ہے، اس وقت "الاعتصام" گوجرانوالہ سے ہی نکلتا تھا لاہور منتقل نہیں ہوا تھا۔ ایک صاحب وہاں آئے جو حافظ عنایت اللہ اثری مرحوم کے جاننے والے تھے انھوں نے حافظ صاحب سے سوال کیا کہ "ننگے سر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟"

حافظ صاحب نے جواب دیا: "نماز ہو تو جاتی ہے، لیکن اس سے بچنا چاہیے، پگڑی یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنی چاہیے۔" سائل نے پوچھا: "یہ کہاں لکھا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے بچنا چاہیے؟" حافظ صاحب نے اس سوال کا نہایت عمدہ جواب دیا، فرمایا جہاں جی چاہے لکھو، بات وہی ہے جو میں نے بتادی۔"

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اکابر مشاہیر علمائے اہل حدیث ننگے سر نماز پڑھنے کو معیوب قرار دیتے تھے اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ کے حضور بجز دعا بجزی سے دعا مانگا کرتے تھے۔ لیکن نئے دور کے اہل حدیث علماء

کے آخر تک ان کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ وہ کثیر العلم اور وسیع المطالعہ بزرگ تھے۔ میں انشاء اللہ ان کے متعلق ایک مستقل مضمون لکھوں گا۔ بہت لوگوں کے بارے میں لکھا اور بہت لوگوں کے بارے میں لکھنے کو جی چاہتا ہے استادِ مکرم مولانا اسماعیل صاحب مرحوم و مقور بھی اسی فہرست میں شامل ہیں جن کے متعلق اپنے انداز سے کچھ گزارشات پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

یہاں ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق مولانا ممدوح کا ایک لطیفہ بیان کرنا چاہتا ہوں، جو واقعہ بھی ہے ایک دن ایک اہل حدیث مولوی صاحب انہی مسجد میں تشریف لائے جو بڑے جھگڑالو تھے اور بات بات پر بحث و جدل پراتر آتے تھے انھوں نے کپڑے پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ پگڑی سر سے اتاری اور نماز پڑھنا شروع کر دی وہ نماز پڑھ چکے تو مولانا نے فرمایا: "یہ آپ نے کیا حرکت کی پگڑی اتار کر نماز پڑھنا کہاں کا مسئلہ ہے؟" مولوی صاحب نے جواب دیا: "میں نے ٹھیک کیا ہے، میرے ساتھ اس مسئلے پر بحث کر لیں،" مولانا نے فرمایا: "مجھے آپ کے ساتھ بحث کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو ایک شریفانہ بات کی تھی کہ پگڑی اتار کر نماز پڑھنا مناسب نہیں" (گفتگو پنجابی میں ہو رہی تھی، اگلی بات جو مولانا اسماعیل صاحب نے فرمائی میں وہ پنجابی میں ہی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: "ایہ تاں اک پگ دی گل سی، میرے دوں لک دی دی لاہ لے")

مولانا حافظ عنایت اللہ اثری گجراتی معروف اہل حدیث عالم تھے عربی اور اردو میں انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ سیاسی اعتبار سے اکابر علمائے اہل حدیث کی طرح نیشنلسٹ تھے اور انگریزی حکومت کے سخت مخالف۔ طویل عرصے تک چمر قند کی جماعت مجاہدین کے مرکز میں

جراہوں پر مسح کرنا

موجودہ دور کے غیر مقلدین کا عمل اور فتویٰ یہ ہے کہ ہر قسم کی جراہوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ بات نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صحیح، صریح مرفوع حدیث سے۔ بلکہ خود مولانا سید نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کا فتویٰ بھی موجودہ غیر مقلدین کے خلاف ہے۔ ہم یہاں پر فتاویٰ نذیریہ سے وہ فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ یہ فتویٰ اصل عربی زبان میں ہے اور فتویٰ کے نیچے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہوا ہے یہاں پر صرف اردو ترجمہ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ادنیٰ یا سوتی جراہوں پر مسح جائز ہے یا نہیں؟
یہ تو معلوم ہے کہ جراہوں پر مسح کرنے کی حدیث ضعیف ہے اور امام ترمذی نے جو اس کو صحیح کہلایا ہے محدثین نے اسے قبول نہیں کیا اور اگر موزوں کے مسح پر اس کو علت مشترکہ کی بنا پر قیاس کیا جائے تو اس سے فرض غسل جو قرآن سے ثابت ہے ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اگر نے جو جراہ کے لیے موطا ہونے اور پانی کے نفوذ نہ کرنے کی قید لگائی ہے، تو کیا اس سے زیادہ کسی اور علت کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا وُل کا دھونا فرض ہے اور موزے پر مسح رخصت ہے۔ کیا رخصت شرعیہ شارع کے بیان پر موقوف ہے یا نہیں؟ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔
الجواب: مذکورہ جراہوں پر مسح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں۔ استدلال تین چیزوں سے کیا گیا ہے۔ حدیث مرفوع، فعل صحابہؓ اور قیاس۔

نئے سر نماز پڑھنے کے حق میں دلائل فراہم کرتے ہیں اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ سے کچھ مانگنے کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اہل حدیث حضرات میں ایک عجیب و غریب بات یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ نماز شروع کرتے ہی ان کے جسم پر کھلی ہوئے لگتی ہے۔ اور نماز کی نیت باندھی اور ادھر کھلانا شروع کر دیا، کبھی سر میں ہاتھ پھیرا، کبھی داڑھی میں، کبھی بالوں میں، کبھی کان میں، کبھی ناک میں، کبھی کہیں، ”یہ کفرک فی الصلوٰۃ“ کا مسئلہ معلوم نہیں ان کو حدیث کی کس کتاب سے ملا ہے؟ نمازیں جمع کرنے کے بھی اہل حدیث حضرات بہت شائق ہیں۔ انکی کسی میٹنگ میں جا کر دیکھیے، ظہر کی نماز پڑھی اور ساتھ ہی عصر لپیٹ دی۔ بہر حال مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی کو اللہ تعالیٰ خوش رکھے، وہ بہت بڑے عالم ہیں اور ان کے معلومات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ نمازیں سر ڈھانپنے کے متعلق انھوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ لائق مطالعہ ہے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ آپ نے یہ مضمون چھاپ کر اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے علم میں لانے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

حدیث مرفوعہ تو وہ ہے جس کو ترمذی نے منیر بن شعبہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جراب اور جوتے پر مسح کیا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کے استدلال صحیح نہیں ہے۔ عبدالرحمن بن ہمدی یہ حدیث روایت نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ منیر بن شعبہ مشہور روایت موزے پر مسح کرنے کی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری نے بھی جراب پر مسح کرنے کی روایت نقل کی ہے لیکن اس کی سند متصل نہیں۔ امام مسلم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ منیر بن شعبہ سے جتنے لوگوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے انہوں نے موزے پر مسح بیان کیا ہے۔ صرف قیس اودی اور ہذیل بن شریبیل نے جراب کا لفظ بیان کیا ہے لیکن یہ دوسرے راویوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ عبدالرحمن بن ہمدی نے سفیان ثوری سے کہا کہ اگر آپ مجھے ابوقیس عن ہذیل کی حدیث سنائیں تو میں اس کو آپ سے قبول نہیں کروں گا۔ سفیان نے کہا کہ وہ حدیث واقعی ضعیف ہے۔ علی بن مدینی نے کہا: حضرت منیر بن شعبہ کی حدیث کو مدینہ، کوفہ اور بصرہ والوں نے روایت کیا ہے، سب موزہ کا ذکر کرتے ہیں صرف ابوقیس جراب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بہیقی نے کہا یہ حدیث منکر ہے اس کو سفیان ثوری اور عبدالرحمن بن ہمدی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، امام مسلم نے ضعیف کہا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابن دقیق العید نے اس کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے اور کہا ہے کہ ابوقیس کی روایت دوسروں کے مخالف نہیں ہے کیونکہ وہ تو ایک امر زائد بیان کر رہے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس روایت کے یہ الفاظ ہوتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا تو ایک امر زائد تھا لیکن اس نے

تو موزے کے بجائے جراب اور جوتوں کا ذکر کیا ہے تو یہ امر زائد نہیں ہے بلکہ ثقات کی مخالفت ہے۔ باقی رہا ترمذی کا اس کو حسن صحیح کہنا تو امام نووی نے کہا کہ جن لوگوں نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے ان میں سے ہر ایک امام ترمذی سے مقدم ہے اور پھر یہ اصول بھی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ لفظ جراب مختلف المفہوم ہے۔ موزے کے اوپر جو لفاظہ پہنا جاتا ہے اس کو جرموق کہتے ہیں اور جرموق پر جو پہنا جاتا ہے اس کو جراب کہتے ہیں تو ممکن ہے جراب سے چمڑے کا وہ لفاظہ مراد ہو جو جرموق پر پہنا جاتا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل تو ہماری ہوگی نہ کہ تمہاری اور پھر یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ جراب پر مسح کرنے والوں کا مقصد تو یہ ہے کہ صرف جراب پر مسح کرنا جائز ہے حالانکہ اس حدیث میں جراب اور جوتوں پر مسح کا ذکر ہے یعنی جراب کے اوپر جوتی پئے ہوئے آپ نے مسح کیا، صرف جراب پر مسح نہیں کیا۔

یہاں ایک اور غلط فہمی بھی ہے کہ جراب سوتی بھی ہوتی ہے اور اونی بھی، سوتی بھی اور باریک بھی اور وہ بھی جس کے نیچے چڑا لگا ہوتا ہے تو جب تک کسی خاص لفظ سے پتہ نہ چلے کہ وہ جراب جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا وہ چمڑے والی نہ تھی تب تک مقصود مجوزین ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ چمڑے والی جراب تو موزہ ہی کے حکم میں ہے اگر کہا جائے کہ دوسری جراب کا بھی احتمال تو ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس میں جب صراحت نہیں ہے تو نفس مطمئن نہیں ہو سکتا اور حضور نے فرمایا ہے: "شک والی چیز کو ترک کر دو"۔

باقی رہا صحابہ کرام کا عمل تو ان سے مسح جراب ثابت ہے اور تیرہ صحابہ کرام کے نام صراحت سے معلوم ہیں کہ وہ جراب پر مسح کیا کرتے تھے یعنی حضرت علیؓ، عمارؓ، مسعودؓ، انصاریؓ، انسؓ، ابن عمرؓ، براہ بن عازبؓ، حضرت بلالؓ، عبداللہ بن

ابی اوقیہؓ، سہل بن سعدؓ، ابوامامہؓ، عمرو بن نفیرؓ، عمرو بن عباسؓ اگر حدیث مرفوع کے بجائے انکے عمل سے استدلال کیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے لیکن ان کے عمل میں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ فعل ایک ایسا کام ہے جس میں اجتہاد کو دخل ہے اور جس میں اجتہاد کو دخل ہو صحابی کا وہ فعل مرفوع حکمی نہیں کہلا سکتا۔

باقی رہا قیاس کا مسئلہ کہ جب موزہ پر مسح جائز ہے تو قیاساً حجاب پر بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق مؤثر نہیں ہے۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ اگر مسح موزہ کی کوئی علت مخصوص ہوتی۔ تو اس علت کی بنیاد پر حجاب کے مسح کو اس پر قیاس کر لیا جاتا لیکن یہاں کوئی علت مخصوص نہیں ہے ممکن ہے ہم کوئی اور علت سمجھیں اور حقیقت میں کوئی اور ہو۔ اگر سوال کیا جائے کہ صحابہؓ کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں تو آخر کسی دلیل کی بنیاد پر ہی صحابہؓ نے حجاب پر مسح کیا ہوگا، اگرچہ وہ ہم کو معلوم نہیں تو ہم بھی اسی وجہ سے مسح کر لیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صحابہؓ سے کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ کہاں ہے کیسی ہے؟ جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے ہم قرآن اور متواتر حدیث کے مضمون کو کیوں چھوڑیں اور اگر صحابہؓ کے فعل سے استدلال کیا جائے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے اور پھر یہ بھی تو معلوم نہیں کہ صحابہؓ کون سی حجاب پر مسح کیا کرتے تھے؟ جب تک ان تمام باتوں کی وضاحت نہ ہو جائے ہم کتاب اللہ کے مضمون کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

فادی نذیرہ ۳۳۳ تا ۳۳۴